مواعظ حکیم الامتؒ اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور
پاکستان

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

مدیر
خلیل احمد تھانوی

جلد ۲ | رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ / دسمبر ۲۰۰۰ء | شمارہ ۱

وعظ
مثلث رمضان
(رمضان کی تین عبادتیں)

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ ۱۰/= روپے | زر سالانہ ۱۰۰/= روپے

پتہ دفتر
ماہنامہ الامداد
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر
۵۴۲۲۲۱۳-۴۲۸۰۶۰

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریتی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثلث رمضان(۱)

احوال واقعی (از جامع)

حضرت مدظلہ نے اس مجموعی وعظ کے تین جزو قرار دیے ہیں اور ہر ایک کا نام جدا جدا تجویز فرمایا ہے۔ پہلا ''الریان من رمضان'' (۲) دوسرا ''القرآن فی رمضان'' (۳) تیسرا ''الیقظان فی رمضان'' (۴) اور مجموعہ کا نام ''مثلث رمضان'' تجویز فرمایا۔ اور وجہ تین جزو قرار دینے کی یہ ہوئی کہ حضرت والا کا قصد (۵) یہ تھا کہ اس رمضان شریف میں چار جمعہ واقع ہوں گے اور چاروں میں چار مضامین علیحدہ علیحدہ بیان کر دیے جاویں گے۔ مگر اتفاق سے حضرت کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ حتیٰ کہ چند روزے بھی قضا ہوئے اور ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ بیان پر قدرت ہونا مشکل تھی۔ چنانچہ دو جمعہ میں وعظ نہیں ہوا۔ اور تیسرے جمعہ میں وعظ فرمایا جس میں مختصر اً پہلے جمعوں کے بھی مضامین آ گئے (یعنی جن مضامین کا پہلے دو جمعوں میں بیان کیا جاتا)۔ چنانچہ ایک مضمون پہلے جمعہ کے متعلق ہے، اور ایک دوسرے کے اور ایک تیسرے کے اور حضرت نے گذشتہ دو جمعہ میں وعظ نہ ہونے کے عذر کا اظہار بھی شروع وعظ میں فرمایا اور چوتھے کے متعلق وعدہ کر لیا گیا جیسا کہ معلوم ہو جائے گا۔

---

(۱) رمضان کی تین شاخیں (۲) رمضان سے تروتازگی (۳) رمضان میں تلاوت قرآن (۴) رمضان میں بیداری (۵) ارادہ

مثلث رمضان

یہ وعظ حضرتؒ نے ۱۳۳۶ھ کے رمضان المبارک کے تیسرے جمعہ کو ارشاد فرمایا جو دو گھنٹے تک جاری رہا۔ ناسازطبع کی بناء پر بیان میں اختصار رہا۔ بایں ہمہ جملہ ضروری مضامین ارشاد فرمادئے۔ حکیم محمد یوسف بجنوری مرحوم نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ الشیخان عن سہل بن سعد ان لِلجنۃ ثمانیۃ ابواب منھا باب یسمّی باب الریان لا یدخلہ الا الصائمون

تمہید

یہ ایک حدیث ہے جس کو شیخین یعنی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے سہل بن سعد صحابی سے روایت کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جس میں سے ایک دروازہ کا نام باب الریان ہے، سوائے روزہ داروں کے اور کوئی اس میں داخل نہ ہوگا۔

یہ تو ترجمہ ہے اس حدیث کا، میرا مقصود بعض فضائل رمضان شریف کا بیان کرنا ہے۔ اور یہ مضمون منجملہ چند مضامین وقتیہ کے ایک مضمون ہے۔ پہلے سے یہ خیال تھا کہ اس ماہ کے چار جمعہ ہوں گے اور ہر جمعہ میں ایک ایک مضمون ان مضامین میں سے بیان کر دیا جائیگا۔ مگر اسباب ایسے ہو گئے کہ میں اس سے پہلے جمعوں میں بیان پر قادر نہیں تھا چنانچہ اب تک ضعف باقی ہے، اس لئے آج ایک ضروری مضمون بیان کر دیا جائیگا، جس میں مختصراً پہلے جمعوں کے مضامین بھی آجائیں گے اور اخیر جمعہ باقی ہے چوتھا مضمون بشرط خیریت انشاءاللہ اسمیں بیان کر دیا جاوے گا۔

اگر سب جمعوں میں قدرت ہوتی تو آج کے حصہ میں تیسرا مضمون آتا اتفاقی بات ہے کہ ایک بھی بیان نہیں ہوا۔ اور یہ غیر اختیاری امر تھا، اب بھی پوری

قدرت نہیں۔ مگر میں نے خیال کیا کہ اگر زیادہ بیان نہ ہوگا تو تھوڑا ہی سہی، اس کے قبل تو اتنی بھی قدرت نہ تھی، وہ چاروں مضمون ضروری اور قابل تفصیل تھے، اگر عوارض (۱) پیش نہ آتے تو بالاستقلال (۲) ایک ایک جمعہ میں ان کا بیان ہوتا، اب اگر تینوں مضمون مفصلاً آج ہی بیان ہوں تو اس کے لئے وقت بہت چاہئے۔ اس واسطے قصد یہ ہے کہ تینوں کا مختصراً بیان کردیا جائے۔ اور زیادہ وقت تو اکثر توابع (۳) میں صرف ہوتا ہے اصل مضمون طویل نہیں ہوتا، اسلئے توابع کا حذف کرنا مناسب معلوم ہوا۔ ضروری افادہ پر نظر کر کے آج تینوں کا بیان مختصراً کردیا جائے گا۔

باب الریان

سو ایک تقریر کا مضمون تو حدیث سے شروع کردیا ہے جس کا پھر ترجمہ کرتا ہوں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام "باب الریان" (۴) ہے۔ سوائے روزہ داروں کے اس میں سے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے رکھے ہیں اور جہنم کے سات۔ لوگ اس کی حکمت اگر سبقت رحمتی علی غضبی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر سبقت لے گئی۔ اس لئے جنت کے دروازوں کی تعداد جہنم (۵) سے زیادہ ہے۔ گویا اجازت دی کہ اگر کثرت سے داخل ہونے والے ہوں تو آسانی سے داخل ہوسکیں کیونکہ تعداد دروازوں کی زیادہ ہے۔ اور اس میں ترغیب بھی ہے کہ جنت میں زیادہ جانیوالے ہونے چاہئیں اور جہنم میں جانیوالے کم ہوں اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس

(۱) اگر بیماری کے موانع پیش نہ آتے (۲) مستقل طور پر (۳) اصل مضمون کے ذیل میں جو مضامین بیان کئے جاتے ہیں (۴) ترجمہ: روزہ دار (۵) دوزخ

میں نہ جائیں، گو وقوع اس کے خلاف ہے یعنی جنت میں کم جائیں گے اور جہنم میں زیادہ، اور یہ لوگوں کی سوء تدبیر (۱) کی وجہ سے ہے ورنہ ان کے کرم میں کمی نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دروازے اس مکان میں زیادہ رکھے جاتے ہیں جس میں وسعت ہو، اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں وسعت زیادہ ہے اگرچہ سوء تدبیر کی وجہ سے جہنم (۲) والوں کی تعداد زیادہ ہوئی۔ اور جہنم بھی کوئی چھوٹی سی چیز نہیں گو جنت سے وسعت میں کم ہو، چنانچہ جہنم کی وسعت اس سے ثابت ہے کہ باوجود اس کے کہ جہنم میں جہنمی کثرت سے داخل ہو چکیں گے پھر بھی پکارے گی "ھل من مزید" کہ "اور ہو تو دے دو" جیسے بھوکے سے دریافت کرتے ہیں کہ اور کچھ چاہئے؟ تو وہ کہتا ہے "اور ہو تو دے دو" اور یہی حال جنت کا ہوگا۔ مگر اللہ میاں اتنے رحیم و کریم ہیں کہ دوزخ کو تو اپنے حکم سے شکم سیر (۳) کر دیں گے، کسی کو بلا عمل (۵) داخل نہ کریں گے۔ اور جنت کیلئے ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے جن کو بلا عمل محض اپنے فضل سے جنت مرحمت (۶) فرمائیں گے۔ غرض اس کو اتنی وسعت اسلئے دے دی ہے کہ اس کے دروازوں کی تعداد جہنم سے زیادہ رکھی ہے۔ اور جہنم کے بھرنے کیلئے نئی مخلوق پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اسی کے (۷) اجزاء کو سمیٹ کر تنگ کر دیں گے۔ ورنہ حاکمیت کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر اہل جنت کو دوزخ میں داخل فرما دیتے تو کسی کو بھی چون وچرا کی گنجائش نہ تھی۔

ہست سلطانی مسلم مرورا   نیست کس را زہرۂ چون وچرا (۸)

---

(۱) انتظام کی تدبیر (۲) کم ہونا، زیادہ (۳) اگرچہ تدبیر کی وجہ سے دوزخ والوں کی تعداد زیادہ ہوگی (۴) پیٹ بھر دیں گے (۵) بغیر عمل (۶) داخلہ فرمائیں گے (۷) دوزخ کے اجزاء کو سمیٹ کر (۸) بادشاہت صرف اس حق کے لئے مسلّم ہے۔ کسی کو چون وچرا کی طاقت نہیں ہے۔

مگر وہ صرف حاکمیت سے کام نہیں لیتے بلکہ حکمت سے کام لیتے ہیں، چنانچہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس میں حکمت ہی ہوتی ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو۔ پھر ایک طریقہ تو دوزخ کے پُر کرنے کا یہ تھا کہ اہل جنت کو دوزخ میں بھیجتے اور ان کو معذب (۱) فرماتے۔ اور دوسرا یہ تھا کہ ان کو دوزخ میں بھیجتے اور معذب (۲) نہ فرماتے وہ اس پر بھی قادر ہیں۔

حقیقی انعام

اور ایسا واقع بھی ہے کہ کوئی دوزخ میں ہو اور معذب نہ (۳) ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے الوائدۃ والموؤدۃ کلتا بما فی النار کہ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں آگ میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی لڑکیوں کے مارنے کی عادت تھی مگر سلطنت نے اس کا انتظام کر دیا۔ عرب میں یہاں سے زیادہ آفت تھی کہ لڑکی کو زندہ درگور (۴) کر دیتے تھے کہ وہ خود ہی گھٹ کر مرجاتی تھی۔ یہاں تو مار کر دفن کر دیتے تھے۔ مگر عرب کا طریقہ یہاں سے اشد تھا شاید اس صورت سے مارنے میں عرب کا یہ خیال ہو کہ مارنے کے فعل کو اپنے ذمہ کیوں رکھیں؟ یا معلوم نہیں کہ عرب کے نزدیک اس کا کوئی اور اختراعی سبب (۵) تھا۔ غرض کہ یہ رواج تھا اور یہ حدیث اس کے متعلق ہے الوائدۃ والموؤدۃ کلتا بما فی النار اس میں ظاہراً یہ شبہ ہوتا ہے کہ بچی نے کیا خطا کی ہے جس کی وجہ سے وہ دوزخ میں ڈالی گئی علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

---

(۱) عذاب دیتے (۲) دوزخ میں تو بھیجتے لیکن عذاب نہ ہوتا (۳) اور حقیقت میں ایسا ہے بھی کہ دوزخ میں ہو، پھر بھی عذاب نہ ہو
(۴) زندہ قبر میں دفن کر دیتے تھے (۵) اپنا وہمی اور من گھڑت سبب

سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ بچی دوزخ میں تو ہوگی مگر معذب نہ ہوگی جیسے جہنم میں فرشتے بھی ہوں گے مگر معذب نہ ہونگے۔ چنانچہ خزنہ جہنم (۱) دوزخ ہی میں ہونگے مگر وہاں بھی ویسے ہی مقرب ہیں جیسے جنت کے فرشتے جنت میں۔ کیونکہ اصل انعام تو بندہ پر یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی معیت (۲) نصیب ہو، خواہ دوزخ میں ہو یا جنت میں۔ اگر دوزخ میں معیت ہے تو پھر تکلیف کا کیا ذکر ہے وہی جنت ہے اور اگر جنت میں معیت نہ ہوتی وہ دوزخ سے بدتر ہوتی۔

با تو دوزخ جنت است اے جان فزا

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا (۳)

خزنہ جہنم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی معیت ہوگی اسلئے وہ فرشتے آرام ہی میں ہونگے۔

حقیقت تعذیب (۴)

اس کی واضح مثال دنیا میں موجود ہے دیکھئے جیل خانہ میں ایک تو مجرم ہوتے ہیں اور ایک وہ جو وہاں ملازم ہیں۔ مجرمین کو تکلیف ہوتی ہے کہ ایک ایک دن کاٹنا مشکل ہوتا ہے اور ملازمین جیسے اور جگہ خوش ہیں اسی طرح وہاں بھی۔ وجہ یہی ہے کہ مجرمین کے ساتھ حکومت کی معیت نہیں ہوتی بلکہ عتاب (۵) متعلق ہوتا ہے اور ملازمین کے ساتھ معیت (۶) ہوتی ہے۔

البتہ ایک شبہ یہاں یہ واقع ہوتا ہے کہ پھر موؤدہ (۷) کو جہنم میں رکھنے سے فائدہ کیا؟ جبکہ وہ معذب (۸) نہیں۔ کیا اس کیلئے جہنم میں ٹھکانا تھا جواب یہ ہے کہ اول

(۱) جہنم کے فرشتے (۲) ساتھ (۳) اے میری جان تیرا ساتھ ہو تو دوزخ بھی جنت ہے اور اے دل ربا تیرے بغیر تو جنت بھی دوزخ ہے
(۴) عذاب کی حقیقت (۵) عذاب (۶) ساتھ (۷) جس کو زمین میں زندہ دفن کیا گیا ہو (۸) جبکہ اس کو عذاب بھی نہیں۔

تو ہمیں مصلحت دریافت کرنیکی مجال نہیں۔ خیر میں مصلحت بھی بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ بچی جس کو زندہ درگور کیا تھا وہ ماں کے پیش نظر رہے اس سے ماں کیلئے زیادتی عذاب کی مقصود ہے۔ کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اپنا فعل یاد کر کے خوب کڑھے اور رنج ہو۔ کہ ہائے میں کیسی سنگدل تھی کہ میں نے اپنی بچی کیساتھ یہ حرکت کی جس کی وجہ سے آج عذاب بھگت رہی ہوں۔ نیز ممکن ہے کہ اس پر حقیقت بھی منکشف (۱) نہ ہو اور وہ یہی سمجھتی رہے کہ میری بچی پر بھی عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ معذب نہیں اور حقیقت منکشف نہ ہونے سے اس کی حسرت اور رنج اور زیادہ ہو جاوے جو کہ باعث زیادتی عذاب کا ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ وہاں سب ہی کو ایسا انکشاف عام ہو جاوے کہ کوئی چیز مخفی (۲) ہی نہ رہے۔ ہاں دنیا سے زیادہ وہاں انکشاف ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ ممکنات (۳) کے علوم متناہی ہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ بعض علوم مخفی بھی ہوں بس ماں یہ سمجھے گی کہ مجھ پر عذاب ہے اور میری وجہ سے بچی پر بھی عذاب ہے۔ اس سے عذاب میں زیادتی ہوگی اور اولاد سے تعلق فطری ہے وہاں بھی یہ تعلق بالکلیہ منقطع نہ ہوگا کیونکہ فطریات عادۃً بدلا نہیں کرتیں۔ تو جب ماں یہ سمجھے گی کہ میری وجہ سے یہ بھی عذاب میں ہے اس سے اسکی کلفت بڑھے گی اگر اس محمل پر حدیث کو محمول کر لیا جاوے تو کیا قباحت ہے۔

تعذیب شمس وقمر

اس سے بھی واضح و اقرب الی الفہم ایک اور نظیر (۴) ہے وہ یہ کہ حدیث

---

(۱) حقیقت بھی ظاہر/واضح ہو (۲) یہ ضروری نہیں کہ سب کو سب باتیں معلوم ہی ہو جائیں اور کوئی بات پوشیدہ نہ رہے (۳) امکانی علوم (۴) اس سے زیادہ واضح اور سمجھنے میں زیادہ قریب ایک اور مثال ہے

میں ہے الشمس و القمر مکوران فی النار یوم القیمۃ کہ آفتاب اور چاند بے نور کر کے جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ یہاں بھی وہی شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا خطا کی ہے جس کی وجہ سے جہنم میں ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ خطا کی تحقیق کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ وہ معذب (۱) بھی ہوں۔ سو وہ معذب نہ ہوں گے اور ان کو دوزخ میں ڈالنے سے مشرکین کو دکھانا ہوگا کہ یہ خود کو تو دوزخ سے بچا ہی نہ سکے تم کو کیا بچا سکتے ہیں۔ اس کو اقرب (۲) اس لئے کہا گیا ہے۔ ذی روح کا معذب ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا غیر ذی روح کا معذب (۳) ہونا (اس موقع پر ذی روح (۴) وہ لڑکی ہے جس کو زندہ درگور (۵) کیا تھا اور غیر ذی روح شمس وقمر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی معذب تو نہ ہوگی مگر اس کا معذب ہونا اتنا بعید نہ تھا جتنا کہ شمس وقمر کا معذب ہونا بعید ہے۔ کیونکہ لڑکی ذی حیات (۶) ہے اور ذی حیات کو عادۃً تکلیف ہونا بعید نہیں اور شمس وقمر غیر ذی حیات (۷) ہیں اور غیر ذی روح کو عادۃً تعذیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکڑیوں کو آگ میں جلاتے ہیں مگر بوجہ غیر ذی روح ہونے کے اس کو تکلیف ہونا مستبعد (۸) ہے۔ بخلاف اس کے کہ کسی جاندار کو آگ میں ڈال دیں کہ اس کو تکلیف ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ غیر ذی روح کو بھی معذب فرماویں)۔ پس شمس وقمر ہوں گے تو وہ دوزخ میں مگر معذب نہ ہوں گے کیونکہ ذی روح نہیں۔ اور اسی لئے مکلف نہیں بلکہ بعض ذی روح بھی مکلف نہیں جیسے حیوانات و بہائم۔ بلکہ بعض ذوی العقول (۹) بھی بواسطہ انبیاء کے مکلف نہیں یعنی

---

(۱) جن کو عذاب بھی ہو (۲) زیادہ قریب (۳) کسی روح والے کا عذاب میں مبتلا ہونا اتنا بعید نہیں جتنا کہ غیر روح والی چیز کا مبتلا عذاب ہونا (۴) روح والی (۵) زندہ دفن (۶) لڑکی میں زندگی ہے (۷) حیات نہیں (۸) بعید از عقل (۹) صاحب عقل

ان کی طرف انبیا کی بعثت نہیں ہوئی۔ گو بعض اہل لطائف (۱) اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ ملائکہ بھی اس طرح مکلف ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ان کی طرف بھی ہے۔ بلکہ بعض نے یہ بھی کہا کہ بعض جمادات کی طرف بھی ہے اور وہ بھی مکلف ہیں اور بعثت الی کافۃ الخلق (۲) سے استدلال کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک لطیفہ ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تو کہا جاویگا کہ یہ مکلف تو ہیں مگر ان چیزوں سے عصیان (۳) کا ظہور نہیں ہوا اس لئے معذب نہ ہوں گے۔ چنانچہ کلام اللہ سے ان کا مطیع ہونا ثابت ہوتا ہے "الم تران اللہ یسجد لہ من فی السموات و من فی الارض والشمس والقمر والجبال والشجر والدواب و کثیر من الناس" (۴)

اگر ان سے عصیان ہوتا بوجہ اس کے کہ اس قول میں انکی طرف بھی بعثت ہے اور یہ مکلف ہیں اس لیے ضرور تھا کہ یہ معذب بھی ہوں مگر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عصیان نہیں کیونکہ حق تعالی نے "سموات" "وارض" "وشمس" "وقمر" "ودواب" سب کے متعلق بلا استثناء "یسجد لہ" (۵) فرمایا ہے اور "ناس" کے لئے "کثیر" کی قید بڑھائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "ناس" میں تو بعض مطیع اور بعض عاصی (۶) ہیں مگر اور مخلوقات میں سب مطیع (۷) ہیں۔ اور آیت میں "ناس" (۸) سے مراد انس و جن (۹)

(۱) صوفیا (۲) ہمارے نبیؐ نے فرمایا کہ میں تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں (۳) گناہ (۴) سورۃ حج آیت ۱۸ اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی (۵) اللہ تعالی نے آسمان و زمین و سورج چاند اور چوپایوں سب کیلئے بغیر استثنا کے فرمایا کہ وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (۶) لوگوں میں تو بعض فرمانبردار ہیں اور بعض نافرمان ہیں (۷) فرمانبردار (۸) لوگ (۹) انسان اور جنات

دونوں ہیں کیونکہ ''ناس'' کا ترجمہ ہے لوگ، جن کو بھی ''ناس'' کہتے ہیں۔ مگر ایک طالبعلم تھے وہ جانوروں کو بھی لوگ کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ بندر لوگ بڑے شریر ہیں۔ مگر محاورہ میں لوگ صرف انس وجن کو کہتے ہیں۔ غرض انس وجن میں تو دو قسمیں ہیں بعض فرمانبردار بعض نافرمان۔ اور جوان کے سوا ہیں وہ سب فرمانبردار ہیں۔ لہذا شمس وقمر کا غیر معذب ہونا واضح ہوگیا اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں۔ گو طالب علمی کے زمانہ میں ایک شخص مجھ سے جھگڑ رہے تھے کہ یہ معذب (۱) ہوں گے، اور سبب یہ بتلاتے تھے جو چیزیں سبب معصیت ہوئی ہیں وہ بھی معذب ہونی چاہئیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ سبب معصیت ہونا جو بالاختیار ہو وہ معذب ہونے کو مستلزم (۲) ہے، نہ وہ جو کہ سبب بلا اختیار ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تسبب بلا اختیار معصیت (۳) نہیں ہے فقہاء اور صوفیہ ہی شریعت کو خوب سمجھنے والے ہیں۔ ان ہی دونوں گروہ نے شریعت کے اسرار (۴) کو خوب سمجھا ہے۔ گو بعضے فقہاء اور صوفیہ میں لڑائی بھی رہی ہے، مگر جو حضرات جامع شریعت وطریقت ہوئے ہیں وہ کبھی نہیں لڑے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین وصف ہوں۔ فقیہ ہو، محدث ہو، صوفی ہو، محققین میں لڑائی نہیں ہوئی ہاں غیر محققین میں ہوئی ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (۵)

غرض فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھا ہے کہ مطلق سبب بننا معصیت نہیں اس لئے جو چیزیں بلا اختیار سبب معصیت ہوئی ہیں وہ معذب نہ ہوں گی۔ (۶)

---

(۱) انکو بھی عذاب ہوگا (۲) اپنے اختیار سے جو گناہ کا سبب بنتا ہے اس پر عذاب ہوتا ہے اور جو بلا اختیار ہو اس پر نہیں ہوتا (۳) بلا اختیار کسی چیز کا سبب بن جانا گناہ نہیں (۴) راز (۵) جب حقیقت معلوم نہ ہوئی تو افسانے بنانے شروع کردیے (۶) جو بلا اختیار گناہ کا سبب بنی ہیں ان کو عذاب نہ ہوگا

صورۃ تعذیب

البتہ اس میں کلام ہے کہ شمس و قمر آیا اپنی جگہ رہ کر جہنم میں ہوں گے یا ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جمہور کی رائے ہے کہ دونوں کو ہٹا کر جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم بھی بہت بڑی ہے اس لئے کہ یہ اجرام یعنی شمس وقمر (۱) کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہیں۔ شمس زمین سے ہزاروں حصہ بڑا ہے ایسے ہی قمر کو سمجھنا چاہئے۔ بایں ہمہ (۲) مثل گولے کے جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ مگر شیخ اکبرؒ (۳) کا کشف ہے کہ شمس وقمر اپنی جگہ رہیں گے اور جہنم میں بھی ہوں گے اور اس طرح کہ جہنم کو ان کی مستقر (۴) تک بلکہ اس سے بھی آگے بسط (۵) دیا جاوے گا۔ یعنی جہنم کی آگ میں بسط ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسی ہانڈی (۶) ڈھکی ہوئی پک رہی ہو۔ اور پھر اس کو کھول دیا جاوے تو اس کی گرمی پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح جب جہنم کو کھول دیا جاوے گا تو اسکی حرارت پھیل جاویگی جس سے سمندر و ہوا سب آگ بن جاویں گے حتی کہ آسمان تک حرارت پہنچے گی جو آفتاب وقمر کو بھی محیط (۷) ہو جاوے گی اور آفتاب وقمر دونوں اسمیں داخل ہوں گے۔ یہ صورت ہوگی شمس وقمر کے اپنی جگہ رہنے کی اور جہنم میں بھی ہونے کی۔ اور پھر جہنم کی آگ متجاوز ہو کر ساتویں آسمان کے مقعر (۸) تک پہنچے گی اور وہاں بہت ہی لطیف (۹) ہو جائے گی کہ اس کی لطافت میں لذت ہوگی اور

---

(۱) سورج اور چاند کے اجسام (۲) ان سب کے باوجود (۳) صوفیا میں ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں (۴) ان کے ٹھکانے تک (۵) پھیلا دیا جائے گا (۶) دیگچی (۷) سورج اور چاند کو بھی گھیرے لے گی (۸) ساتویں آسمان کی تہہ تک، وہاں تک آگ پہنچ جائے گی (۹) بہت ہلکی ہو جائے گی

جنت کے میوے اسی لطیف گرمی سے پکیں گے۔ اور جنت ساتویں آسمان کے محدب(۱) پر ہوگی۔

اس کشف کی قرآن وحدیث نہ تائید ہی کرتا ہے اور نہ تکذیب ہی کرتا ہے، کشفیات میں ہم شیخ اکبرؒ کے تابع نہیں ہیں لیکن اگر کوئی اسکا قائل بھی ہو مگر جزماً(۲) نہیں تو کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ جیسے تائید نہیں ویسے تکذیب(۳) بھی نہیں۔ یہ فائدہ کے طور پر بیان کردیا۔

بہر حال یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ لڑکی جہنم میں ہو اور معذب نہ ہو تو اس بناء پر مومن تو کیا اہل جنت دوزخ میں بھیج دیے جاتے اور معذب نہ ہوتے۔ مگر حق تعالیٰ نے رحمت کو دیکھئے یہ احادیث میں آتا ہے کہ جب جنت میں اہل جنت داخل ہوچکیں گے پھر اس میں جگہ باقی رہ جائے گی تو حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریں گے کہ وہ اس میں رہا کرے گی۔ اسی طرح جب جہنم باوجود اہل جہنم کے داخل ہونے کے "ہل من مزید"(۴) کہتی رہے گی۔ اس کیلئے حق تعالیٰ یہ نہ کریں گے کہ کسی مخلوق کو پیدا کر کے اس میں داخل کردیں اور اس کا پیٹ بھردیں۔ گو وہ باوجود جہنم میں ہونے کے معذب بھی نہ ہوتے۔ بات یہ ہیکہ حق تعالیٰ بلاوجہ عذاب کی صورت کو بھی گوارا نہیں فرماتے کہ کسی کو پیدا کر کے اس میں صورۃً بھی داخل فرمائیں یہ عین رحمت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ دوزخ کے پکارتے رہنے پر حق تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی "بس بس"۔ اس حدیث کے معنی اول تو واللہ اعلم کیا ہیں اور اگر کوئی بات بھی سمجھ میں آوے مگر وہ بات مجلس عام میں کہنے کے قابل نہیں تو اسلم

---

(۱) ساتویں آسمان کے اوپر (۲) حتمی طور پر (۳) اگر تائید نہیں تو جھٹلایا بھی نہیں (۴) اور ہو تو لے آؤ

طریق یہی ہے کہ زبان کو بند رکھا جاوے۔

باغ محمدی

اہل ظاہر کو تو جہاں اطمینان ہو جاتا ہے تو بولتے بھی ہیں مگر صوفیہ تو بولتے بھی نہیں وہ تو ایسے اسرار کے ظاہر کرنے والوں سے ناراض ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند

وز سخنہا عالمے را سوختند

ترجمہ وہ قوم بڑی ظالم ہے جنہوں نے آنکھیں موند لیں اور باتوں سے دنیا کو جلا دیا۔ البتہ کبھی رمز (۱) میں کہہ بھی جاتے ہیں جیسے

در بشر روپوش گشتہ آفتاب دم مزن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ آدمی میں سورج پوشیدہ ہیں، دم نہ مارو اللہ بہتر جانتا ہے

چنانچہ وحدۃ الوجود (۲) کے موقعہ پر کہہ بھی دیا اور پھر اظہار سے منع بھی کر دیا بات یہ ہے کہ ایسے اسرار کے ظاہر کرنے میں امثلہ (۳) اور الفاظ کافی نہیں ہیں۔ ان کی تو یہ حالت ہے

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من وتمثیل من (۴)

پھر بھی کسی مثال کے بیان کرنے کا عذر بھی ظاہر کرتے ہیں کہ بدوں بولے صبر نہیں آتا۔

---

(۱) اشارۃ (۲) حقیقی اور دائمی وجود صرف اللہ کا ہے (۳) مثالیں (۴) اے وہ ذات جو میرے وہم و گمان سے باہر ہے آپ کے بارہ میں میرا بیان کرنا اور مثالیں دینا فضول ہے۔

بندہ نشکیبد ز تصور خوشت   ہر دمت گوید کہ جانم مفرست (۱)

مستی کے غلبہ میں ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں مگر پھر کہتے ہیں۔

خاک بر فرق من و تمثیل من

مطلب یہ ہے کہ میں امثال میں اسرار بیان کردیتا مگر وہ کافی نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی صحو (۲) ہوتا ہے اور کبھی سکر (۳) سکر کی حالت میں کہہ جاتے ہیں۔ یہ انکی حالت ہے جن پر حال غالب ہو جاتا ہے، اور جو حال پر غالب ہیں ان کی زبان سے تو کبھی ایسی باتیں نکلتی ہی نہیں۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کی زبان سے کبھی ایسی باتیں نکلیں ہی نہیں کیونکہ وہ حال پر غالب ہوتے ہیں۔ صحابہ میں بھی جو مغلوب الحال تھے ان کی زبان سے ایسی باتیں تو نہیں نکلی ہیں۔ مگر بعض حالات ظاہر ہو گئے۔ اور جو حال پر غالب تھے جیسے ابوبکرؓ عمرؓ وغیرہ ان سے کبھی ایسی باتیں صادر ہوئیں نہ ایسے حالات ظاہر ہوئے۔

بات یہ ہے کہ امت ایک باغ ہے اس میں ہر قسم کے درخت ہیں۔ سرو بھی ہے، جس پر مختلف ہواؤں کا اثر نہیں ہوتا۔ اس میں چھوئی موئی (۴) کے درخت ہیں کہ ہاتھ لگانے سے کملا جاتا ہے، جس کو شرمندہ بھی کہتے ہیں۔ باغ میں سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر اس باغ میں بچے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں، دیوانے بھی ہیں، مجذوب بھی ہیں، ہر طرح کے لوگ ہیں۔ یہ باغ محمدی ہرا بھرا ہے اور ہرا بھرا رہے گا۔

---

(۱) بندہ آپ کے تصور خوش کے بیان سے صبر ہی نہیں کر سکتا اور ہر وقت کہتا ہے کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔

(۲) مستی سے ہوش میں آنا (۳) حالت مستی (۴) ایک پودے کا نام ہے جس کو ہاتھ لگائیں تو مرجھا جاتا ہے اس لئے اس کو چھوئی موئی کہتے ہیں

صوفیہ مغلوب الحال بھی ہیں، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو حال پر غالب ہیں۔

غرض حدیث میں ہے یضع قدمہ (۱) مگر میں اس کے متعلق زیادہ نقل نہیں کرتا۔ یہ تو دوزخ کی حالت ہوئی، اسی طرح جنت بھی پکارے گی کہ اے اللہ! مجھ کو بھر دیجئے، فوراً حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر کے اس میں داخل فرمادیں گے کہ وہ اس میں رہا کرے گی۔

لطف افطاری

میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم بھی انہی میں سے ہو جاتے تو کیا اچھا ہوتا؟ فرمانے لگے کہ خدا نہ کرے، وہ کیا جانیں جنت کا مزہ جنہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی۔ مزہ ان کو ہی آوے جو یوں کہیں گے "الحمد للہ الذی اذہب عنا الحزن" (۲) ہمیں چین ہوگا، انہیں کیا چین؟ جس نے روزہ نہ رکھا ہو تو اس کو شام کے وقت کیا مزہ؟ استطراداً (۳) یاد آگیا کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ شام کے وقت روزہ داروں میں بیٹھ کر کہتے ہیں لاؤ ہم بھی روزہ افطار کرلیں۔ مگر جب روزہ نہیں تو جانے کس چیز کو افطار کرتے ہیں، یہ بھلے مانس روزہ دار تو ہوتے نہیں مگر افطاری میں سب سے پہلے آموجود ہوتے ہیں، مگر انہیں کیا مزہ؟ مزہ تو شام کے وقت سوختہ افروختہ (۴) لوگوں کو ہوتا ہے کہ پانی کا نام لینے سے ان میں جان آجاتی ہے استلذاذاً (۵) کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ پانی کہاں کا ہے؟ ایک شخص کہنے لگے کہ میں تو رمضان شریف میں اسٹیشن پر رہتا ہوں کہ وہاں کے کنوئیں کا پانی

---

(۱) وہ (اللہ پاک) اس (دوزخ) پر اپنا قدم رکھ دیں گے (۲) تمام تعریفیں اس اللہ پاک کیلئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا (۳) ضمناً یاد آگیا (۴) جلے بھنے (۵) لذت حاصل کرنے کیلئے پوچھا کرتے ہیں

عجیب (۱) ہے۔ اسی طرح جنت کا مزہ بھی اہل مصیبت (۲) کو ہوگا۔ یہ ایک مضمون اپنے اساتذہ سے سنا ہوا بیان کردیا۔

زمین کی روٹی

اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت ہمارے مشائخ کی کتنی ممتاز ہے ان حضرات کی زبان سے کیسی محقق بات نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک محققانہ مضمون اور لیجئے، حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو ایک خاص غذا عطا ہوگی۔ اور غذا اس زمین کی روٹی ہوگی اس میں اشکال یہ ہے کہ کیا ڈھیلے (۳) اور پتھر کھائیں گے؟ کیونکہ زمین میں تو یہی چیزیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس میں حکمت کیا ہے کہ اس زمین کی روٹی ملے۔ کیا کوئی دوسری چیز جنت کی نہ تھی۔

ہمارے اساتذہ نے اس کو حل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے، اور بات بھی نہایت لطیف ہے گو درجہ ظن (۴) میں ہے۔ اشکال کا جواب تو یہ ہے کہ حدیث میں یہ کہاں ہے کہ ڈھیلے اور پتھر کھائیں گے؟ وہاں تو روٹی کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ زمین کی روٹی دیں گے اور سب اس میں سے کھائیں گے، یہاں بھی تو ہم زمین کے اجزاء کھاتے ہیں۔ دیکھئے ایک من گیہوں بوتے ہیں اور بیس من پیدا ہوتے ہیں۔ جو ایک من سے زائد ہیں وہ زمین ہی کے تو اجزاء ہیں۔ عناصر کے امتزاج (۵) سے، ایک خاص ترکیب سے مٹی کی شکل گیہوں کی بن گئی۔

---

(۱) یعنی ٹھنڈا اور میٹھا (۲) مصیبت اٹھانے والوں کو۔ (۳) ڈھیلے یعنی روڑے (۴) اگرچہ یہ ایک احتمال کے درجہ میں ہے (۵) عناصر اربعہ آگ پانی مٹی اور ہوا کو کہتے ہیں ان کی ایک ترکیب سے ملنے کی وجہ سے مٹی کی شکل گیہوں کی بن گئی

پس تم یہاں بھی تو زمین کے اجزاء کھا رہے ہو۔ پھر جیسے یہاں چھننے کے بعد کھاتے ہو، اسی طرح اللہ میاں وہاں بھی لطیف اجزاء کو چھان کر کھلائیں گے۔ زمین سے جتنے پھل وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، سب زمین کے ہی اجزاء ہیں۔ اجزاء لطیف ان شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو ایک سوال تو اس سے حل ہو گیا۔

باقی رہا حکمت کا سوال تو میں اپنے اساتذہ ہی سے اس کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہت سے اللہ کے بندے وہ ہیں جنہوں نے دنیا کی چیزوں کو چکھا تک نہیں خواہ اضطراراً کہ میسر (۱) نہیں ہوئی، یا اختیاراً بمصلحت مجاہدہ و معالجہ (۲)، میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو پان کا مزہ نہیں جانتے۔ تو بعضوں نے میوے نہ کھائے ہوں گے، بعض نے گوشت نہ کھایا ہوگا، تو اگر ان کو صرف جنت ہی کی نعمتیں دیتے تو ان کو دنیا اور جنت کی نعمتوں میں تفاوت نہ معلوم ہوتا۔

اور بدوں تفاوت (۳) کے پوری لذت اور قدر نہ ہوتی اس لئے ان کو اس شکل میں دنیا کی نعمتیں عطا فرمائیں گے اور وہ نعمت دیں گے کہ جس میں ہزارہا قسم کے مزے ہوں گے۔ کیونکہ جتنے مزے دنیا میں ہیں زمین ہی سے نکلے ہوئے ہیں۔ تا کہ موازنہ کر کے لذت زائد ہو جائے۔ پھر اصل میں تو صرف ان زاہدوں کو حکمت مذکورہ کے سبب کھلانا منظور ہوگا، مگر کرم کی عادت پر زاہدوں کیساتھ ہم شکم پروروں (۴) کو بھی کھلا دیں گے۔

پس جیسا اس موازنہ سے نعم جنت کا مزہ بڑھے گا اسی طرح ایسے ہی موازنہ

---

(۱) خواہ مجبوری کی وجہ سے کہ ان کو وہ نعمتیں ملی ہی نہیں (۲) یا اپنے اختیار سے انہوں نے ان نعمتوں اور پھلوں وغیرہ کو مجاہدہ اور ریاضت کی وجہ کھایا نہیں (۳) بغیر فرق محسوس کئے (۴) پیٹ کے پجاریوں

سے جنت کا مزہ ایسے ہی لوگوں کو ہوگا جو دنیا میں مشقتیں اور مصائب اٹھا کر راحت کے موقعہ پر پہنچیں گے، بخلاف ان کے جنہوں نے دنیا دیکھی ہی نہیں، پیدا ہوتے ہی جنت میں داخل ہو گئے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ دونوں کے پُر کرنے کے طریق میں رحمت کا ظہور ہوگا اسی ظہور کی فرع یہ بھی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے مقرر فرمائے۔

جنت کا نقشہ

جنت کے متعلق ایک اور لطیف مضمون یاد آیا اس کو بھی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض حضرات کو جنت کا جو نقشہ مکشوف (۱) ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جنت کے طبقات الگ الگ نہ ہوں گے کہ ایک پورب میں تو دوسرا دکھن (۲) میں ہو۔ علیٰ ہذا۔ (۳) بلکہ اوپر نیچے ہوں گے کہ نیچے ادنیٰ درجہ ہے اس سے اوپر اعلیٰ پھر اس سے اوپر اور اعلیٰ۔ علیٰ ہذا، چنانچہ فردوس سب سے بلند ہوگا۔

اس پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں سب سے اوپر کے درجہ کا چھوٹا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ وہ سب سے بڑا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ اگر کوئی مکان نیچے سے چھوٹا ہو اور اوپر جا کر پھیلاؤ ہو جائے یہاں تک کہ تمام جہات (۴) سے باہر نکل جاوے تو اس میں کیا استبعاد (۵) ہے، جیسے درخت کہ اس کا تنا عرض میں کتنا مختصر ہوتا ہے اور اوپر جا کر کتنا پھیلاؤ ہو جاتا ہے اس طرح وہاں بھی ممکن ہے۔

---

(۱) یعنی کشف سے معلوم ہوا (۲) جانب مشرق کو پورب، مغرب کو پچھم اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو دائیں جانب کو جنوب اور دکھن کہتے ہیں اور بائیں جانب کو شمال اور اُتر کہتے ہیں (۳) اور اسی طرح مغرب و شمال (۴) سب طرف سے (۵) تو کیا مشکل بات ہے جیسے آج کل پانی کی ٹنکیاں بنائی جاتی ہیں کہ نیچے سے صرف ایک ستون اٹھا ہوا ہے، اوپر کی ٹنکی بنائی جاتی ہے یا بعض جگہ چھتیں چھجے وغیرہ نکال کر بنائی جاتی ہیں۔

شبہ اور جواب

ایک سوال حدیث کے متعلق اور ہے۔ وہ یہ کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جس شخص کا عمل جس دروازہ کے مناسب ہوگا اسی دروازہ سے پکارا جائے گا۔ مثلاً کسی نے نماز زیادہ پڑھی ہوگی تو وہ باب الصلاۃ(۱) سے بلایا جاوے گا۔ اور جس نے روزے زیادہ رکھے ہوں گے تو وہ باب الریان(۲) سے بلایا جاوے گا۔

اب فرض کیجئے کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ جس نے ہر قسم کے عمل بکثرت کئے ہوں تو وہ مستحق اس کا ہوگا کہ وہ شخص ہر دروازے سے بلایا جاوے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہوگا کہ سب دروازوں سے بلایا جاوے گا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا "ارجوان تکون منھم" کہ مجھ کو امید ہے کہ ان لوگوں میں تم ہو گے۔ اس صورت سے لازم آتا ہے کہ ایک شخص مختلف دروازوں کی طرف کھنچا کھنچا پھرے۔ نیز مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی صورت کیا ہے؟ کیونکہ ایک شخص ایک ہی دروازہ سے داخل ہو سکتا ہے۔

جواب اس کا یہ کہ جو تقریر پہلے کی گئی کہ جنت کے طبقات(۳) الگ الگ نہ ہوں گے۔ اس پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ باب الصلاۃ پہلا دروازہ ہے اور کسی نے نمازیں زیادہ پڑھی ہیں وہ اس دروازہ سے بلایا گیا اور داخل ہو کر جنت میں پہنچ گیا اور وہیں ہی رہ گیا۔ ایک وہ شخص ہے جس نے نماز روزے دونوں عمل بکثرت کئے تو وہ باب الصلاۃ سے گزر کر دوسرے دروازہ باب الریان میں گیا اور جنت میں داخل ہو کر وہیں رہ پڑا۔

---

(۱) در نماز (۲) تر بتر دروازہ (۳) درجات

اب ایک شخص وہ ہے کہ اس نے ہر قسم کے اعمال بکثرت کئے ہیں تو وہ باب الصلاۃ میں اول داخل ہوا، اور پھر باب الریان میں پہنچا، پھر تمام دروازوں کو طے کرتا ہوا اعلیٰ جنت میں پہنچ گیا۔ ہاں اگر جنت کے طبقات (۱) الگ الگ ہوتے تو یہ اعتراض بظاہر لازم آتا گو اس میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلایا جاوے سب دروازوں سے، مگر داخل ہو ایک ہی سے۔ اس طور سے بلانے میں اس کا اکرام زیادہ ہے لیکن نقشہ مذکورہ کے بعد تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

مزہ دار فضیلت

باقی جو امور کشف کے متعلق بیان ہوئے ہیں یہ تخمینات اور مظنونات (۲) کے درجہ میں ہیں کوئی دلیل شرعی ان پر نہیں اور نہ ان کی تکذیب پر کوئی نص (۳) ہے اس جا ہو اپنے دل کو سمجھا لو۔ غرض جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک کا نام باب الریان ہے۔ اس حدیث میں روزہ کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ روزہ دار ہی اس دروازہ سے داخل ہوں گے۔

اور اطلاق (۴) لفظ روزہ سے مراد عام ہے۔ نفل ہو یا فرض۔ پھر جب نفل کی بھی اتنی فضیلت ہے تو فرض کی تو کیا کچھ فضیلت ہوگی؟ اور روزہ کے فضائل تو بہت ہیں مگر یہ ایک فضیلت نہایت مزہ دار ہے کیونکہ پیاسے کو پانی کا نام سننے سے حظ آتا ہے۔ اسی واسطے نام بھی وہ لیا گیا کہ جس کے سننے سے فرحت ہو۔ وہ کیا؟ باب

(۱) درجات (۲) جو باتیں صوفیا کے کشف سے جنت کے بارے میں بیان کی گئی ہیں وہ ایک اندازے اور گمان کا درجہ رکھتی ہیں (۳) نہ ان کے ثبوت میں کوئی شرعی دلیل ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث میں اس کا انکار کیا گیا ہے (۴) ... کے بارے میں مطلق لفظ استعمال کرنے یہ حکم ہر روزہ کو شامل ہے۔

الریان۔ یعنی تروتازہ دروازہ جو پانی سے سیراب ہو۔ اور روزہ دار کو جیسی پانی سے فرحت ہوتی ہے اور کسی چیز سے کم ہوتی ہے اور پانی جیسا محبوب ہے دوسری چیز نہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ محبوب کا نام لینے سے بھی مزہ آتا ہے۔ اگر مزہ نہ آتا تو ایک عاشق یہ شعر نہ کہتا اگر چہ وہ شراب ہی کو کہہ رہا ہے۔

الا فاسقنی خمرا وقل لی ہی الخمر ولا تسقنی سرا متی امکن الجہر

ترجمہ: تو مجھے شراب پلا اور یہ کہہ کر پلا کہ یہ شراب ہے۔ جب تک علی الاعلان پلائی جا سکے چھپے ہوئے مت پلا!

کہ شراب پلاتا جا اور اس کے ساتھ یوں کہتا جا کہ شراب ہے شراب ہے۔ یہ محبوب کے نام سے لطف حاصل کر رہا ہے اور یہ چاہ رہا ہے کہ پلانیوالا زبان سے اس کا نام بھی لیتا جاوے اس میں بھی مزہ ہے۔ کوئی عاشق مزاج کبھی نہ کہے گا کہ محبوب کا نام لینا بے مزہ ہے غرض روزہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے پانی۔ اسی واسطے میں نے ایک حدیث چھانٹی جس میں پانی کا ذکر ہے اور پانی بھی اللہ میاں کے یہاں کا جس کی یہ صفت ہے لا لغو فیہا ولا تاثیم(۱)۔

ایک ہمارے دوست ہیں اور ضابطے سے ملازم، وہ پانی پر بڑے دلدادہ ہیں، ایک روز انہوں نے پانی بہت پی رکھا تھا کسی نے کہا کہ کہیں تمہارا پیٹ نہ پھٹ جائے۔ کہنے لگے کہ اگر محبوب کے وصل میں جان بھی جاتی رہے تو کیا حرج ہے؟

(۱) سورۃ الطور آیت ۲۳

لطیفہ

مجھے اس کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ کہ ان کے گاؤں میں قحط تھا ان بیچاروں کو روٹی پیٹ بھر نہیں ملتی تھی۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ ایک دوسرے گاؤں میں سے لوگ بھاگے جا رہے ہیں۔ اس کا سبب (۱) دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں مرض ہیضہ کا پھیل رہا ہے اس لئے بھاگ رہے ہیں۔ گاؤں والوں سے پوچھا کہ یہ مرض کیسے ہوتا ہے؟ کسی نے کہا کہ بہت سی روٹی کھا جانے سے ہوتا ہے وہ کہتے ہیں یہ مبارک مرض کبھی ہمیں نہ ہوا۔ محبوب کے وصل میں مرنا قبول، چاہے جان جاتی رہے مگر محبوب مل جاوے۔ پھر یہ حالت یہاں ہی کی غذاؤں کی ہے کہ زیادہ کھاؤ تو مرنے کی نوبت آجائے، اور حق تعالیٰ کے یہاں تو کتنا ہی کھالیں گے کچھ بھی نہ ہوگا اور پتہ بھی نہ چلے گا، البتہ پسینہ نکلے گا جس میں مشک کی خوشبو نکلے گی۔

جنت کی غذائیں

یہ خبر علاوہ ہماری تفریح کے بددینوں کا منہ بند کرنے کو بھی دے دی ہے کیونکہ بعض اہل سائنس اعتراض کرتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ غذا کھائیں اور پتہ بھی نہ چلے۔ نہ اجابت (۲) کے ذریعے سے دفع ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ بند کرنے کے لئے فرمادیا کہ جو فضلہ (۳) ہوگا بھی وہ پسینہ کے راستے سے دفع ہوگا جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ اور غور کیا جاوے تو یہ اعتراض ہی فضول ہے جنت کی غذاؤں میں اتنا فضلہ ہی نہیں جو اجابت کی حاجت (۴)

---

(۱) اس کی وجہ معلوم کی (۲) پاخانہ کے ذریعے نکلے (۳) اجزائے فاضلہ اس غذا کے بذریعہ پسینہ نکلیں گے (۴) جنت کی غذا میں اتنا فاضلہ مادہ ہی نہیں کہ ان کے جسم سے نکالنے کیلئے پاخانہ کی ضرورت ہو

ہو۔ دنیا کے اندر اس کی نظائر بہت ملیں گی بعض غذائیں تو ایسی ہیں کہ ان کو کھا کر فضلہ بہت ہی خارج ہوتا ہے اور بہت سی ایسی غذائیں ہیں کہ ان کا فضلہ بہت ہی کم نکلتا ہے (۱)۔

جنت میں اللہ میاں نے اپنی قدرت کی مشین سے غذاؤں کو فضلات سے ایسا صاف کیا ہے کہ ان میں کچھ فضلہ رہا ہی نہیں۔ اور کچھ غبار ہو بھی تو وہ اسی قدر ہے کہ صرف پسینہ آنے سے نکل سکتا ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ مگر افسوس کہ معترضین روزمرہ ایسی نظائر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر تامل وفہم سے کام نہیں لیتے۔ یہ کلام استطرادا آ گیا تھا۔

سیرابی کی نعمت

اب مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں جو باب الریان (۲) کے متعلق ہے یعنی دنیا میں ایسا پانی کہاں؟ باب الریان کے معنی ہیں دروازہ پانی سے سیراب ہونیوالا۔ دروازہ کا نام لیتے ہی سے روئیں روئیں میں جان آ گئی۔ یہ دروازہ کا نام ہے جو صائمین (۳) کے لئے بہت ہی مناسب ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے جو دعا افطار کی تعلیم فرمائی ہے اس میں بھی ایسی ہی مناسبت ہے یعنی اس میں بھی پانی کا ذکر ہے۔ حکیم ایسے ہی ہوتے ہیں دعا یہ ہے " ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء الله " اور ایک یہ دعا بھی ہے " اللهم لك صمت وبك

(۱) جیسے چارہ اور سبزیاں کہ ان سے فضلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے گائے بھینس کا فضلہ زیادہ ہوتا ہے مرغ وغیرہ سے کم فضلہ پیدا ہوتا ہے۔ (۲) جنت کے اس دروازے کے متعلق جس سے روزہ دار داخل ہوں گے (۳) روزہ داروں کیلئے

آمنت وعلیك توكلت وعلیٰ رزقك افطرت "(۱) ذھب الظمأ الخ کے معنی یہ ہیں کہ پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہو گئیں اور خدا نے چاہا تو ثواب ثابت ہو گیا۔ رہا یہ شبہ کہ سناتے کس کو ہیں؟ بات یہ ہے کہ کسی کو نہیں سناتے بلکہ اللہ میاں کی نعمت کو یاد کرتے ہیں زبان سے کہہ کر مزہ لے رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے مجاہدہ بھی کرایا تو ایسا جس میں لطف ہے۔ دن بھر تو انتظار کا لطف اُٹھایا اور شام کو روزہ افطار کرنے بیٹھے تو سیرابی کی نعمت بھی حاصل ہو گئی زبان سے اس کا تذکرہ بھی ہوا۔ واللہ عجیب لطف ہے۔

ادبِ افطار

نہ معلوم رمضان میں لوگ کیونکر بے روزہ رہتے ہیں؟ میرے چار روزے بیماری کی وجہ سے قضاء ہوئے تھے، دن میں کھاتے پیتے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں نے چوری کی ہے۔ حالانکہ میں نے کوئی کام بُرا نہیں کیا(۲) کیونکہ طبیب صاحب نے افطار کی اجازت دیدی تھی۔ چار روزوں کے بعد پھر افطار کو جی نہ چاہا اگرچہ ان ناغہ کے ایام میں کھانا پینا بوجہ خوف ضعف(۳) کے تھا، کہ نہ کھانے سے کہیں ضعف نہ بڑھ جائے۔ مگر صاحب واللہ اس کھانے پینے میں ہرگز وہ لطف نہ تھا جو افطار کر کے کھانے پینے میں آتا ہے۔

پانچویں روز دوا میں کچھ بے انتظامی ہو گئی، میں نے کہا کہ جاؤ اب میں پیتا

(۱) یا اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیرے رزق پر افطار کیا (۲) اس لئے کہ شرعاً بیمار کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے بعد میں قضا کر لے (۳) کمزوری کے خوف سے کھانا کھاتے تھے کہ کہیں زیادہ نہ ہو جائے

ہی نہیں اور روزہ رکھ لیا۔ میں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں سے جو بلا عذر روزہ نہیں رکھتے کیسے ان کا دل گوارا کرتا ہے؟ بعض اسلامی ریاستوں میں سنا ہے روزہ نہ رکھنے پر جرمانہ ہوا ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ بعض کھلم کھلا کھاتے پھرتے ہیں اور جو ان کو ٹوکے ان سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ جب اللہ کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری؟

میں کہتا ہوں کہ ایسے لوگ بازار میں اپنی بی بی سے ہم بستر کیوں نہیں ہوتے؟ کیونکہ جب اللہ میاں کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری؟ اگر بازار والے دیکھ لیں گے تو کیا حرج ہے؟ بلا عذر بھی لوگوں کے سامنے کھاتے پیتے ہوئے پھرنا اس کا تو کیا ذکر ہے ادب یہ ہے کہ صاحب عذر بھی سب کے سامنے افطار نہ کرے۔ غرض روزہ داروں کو کئی طرح کے لطف حاصل ہوتے ہیں، روحانی لطف تو ہے کہ ہم جیسے پیٹ کے کتوں کو بھی لطف ہے، دیکھو انتظار میں اس وقت کیسا لطف ہے کسی غیر محقق کا قول ہے۔

جو مزہ انتظار میں دیکھا   پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

غیر محقق اس لئے کہا کہ یہ کلام علی الاطلاق(۱) صحیح نہیں ہے، کیونکہ دنیا کے محبوبین کا لطف تو بیشک وصل(۲) ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن محبوب حقیقی کے قرب کا لطف غیر متناہی(۳) ہے کبھی ختم نہیں ہوتا وہاں تو یہ کیفیت ہے۔

دلا رام در بر دلا رام جو   لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

نگویم کہ بر آب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستسقیند

ترجمہ: محبوب بغل میں اور وہ محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں، لب پیاس سے خشک ہیں

(۱) بالکلیہ (۲) ملنے پر (۳) نہ ختم ہونے والا

میں یہ نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں کہ ساحل نیل پر پیاسے بیٹھے ہیں اور نہر کے کنارے بیٹھے ہیں۔

ایک اور شعر ہے:

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد

ترجمہ: نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول زیادہ ہیں تیری بہار کا گل چیں دامن تنگ سے گلہ رکھتا ہے۔

جن کی یہ شان ہے ان کی طلب بھی غیر متناہی ہے۔ ایک شاعر طلب کے غیر متناہی ہونے کو بیان کرتا ہے

قلم بشکن، سیاہی ریز و کاغذ سوز، دم درکش
حسن ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

ترجمہ: قلم توڑ دو، سیاہی گرادو، کاغذ جلا دو اور چپ رہو، حسن یہ عشق کا قصہ ہر کاپی میں نہیں ملتا۔ عشق کا کہیں پتہ نہیں، حسن و جمال کا بھی پتہ نہیں، مگر باایں ہمہ جنت میں سیری ہوگی اور لذت میں بھی ترقی ہوگی۔

تجلیات ربانی

اور یہ جو بعض اہل حال کا مقولہ ہے کہ جنت میں ایک درجہ ہے، بعض عشاق اس میں ہونگے کہ وہ ہر وقت ارنی ارنی (۱) پکاریں گے، اور یہ ان کا پکارنا ختم نہ ہوگا اور اس درجہ میں حور و قصور وغیرہ نہ ہوں گے۔ تو یہ کشف مؤول (۲) ہے۔ تاویل یہ ہے کہ شاید کسی ساعت قلیلہ (۳) کیلئے ایسا ہو مگر پھر سیری ہو جاوے گی اور اس حد کے بعد اور

(۱) مجھے دکھا مجھے دکھا (۲) یہ ایسا کشف ہے جس کی تاویل کی جائے گی (۳) تھوڑے سے وقت کیلئے

چیزیں بھی ہوں گی۔ جیسے میدان حشر میں بعض تجلیات کی نسبت لوگ کہیں گے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں۔ ہم اپنے رب کو پہچانتے ہیں پھر دوسری صورت سے تجلی ہوگی اور ہوں گی دونوں تجلیاں حق تعالیٰ کی، مگر پہلی تجلی سے قناعت نہ ہوگی اس کے بعد جو تجلی ہوگی اس سے قناعت ہو جاوے گی۔

چونکہ یہ کسی درویش کا قول ہے اس لئے میں نے تاویل کی ہے اگر اس تاویل کو کوئی نہ مانے بلکہ ظاہر ہی پر محمول (۱) رکھے۔ تو چاہئے ہم دوسرا جواب دیں گے کہ ہم قرآن و حدیث کے خلاف اس کشف کو نہیں مانتے، کیونکہ جنت میں ایسا کوئی درجہ ہی نہیں کہ جہاں حور و قصور نہ ہوں جنت میں سب کچھ ہوگا، اور سیری بھی ہوگی سیری نہ ہونا غلط ہے، وہاں تو وہ کیفیت ہوگی جس کو یاد کر کے اب یہ کہنا زیبا ہے کہ

اگرچہ دور افتادم بایں امید خورسندم — کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

ترجمہ: اگرچہ دور ہوں مگر اس امید سے خوش ہوں کہ شاید میرا ہاتھ دامن محبوب کو چھو لے۔

یوں نہیں کہا کہ دست جانان خود گیرم (۲) کیونکہ جانان من گیرد (۳) میں اور ہی لطف ہے۔ آپ کو بشارت ہے کہ جنت میں آپ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ انہ بکل شئی محیط (۴) کی لذت عشاق کو اب بھی ہے وہاں اور بھی اتم (۵) ہوگی۔ مزہ ہے، چین ہے، وہ آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ پوری سیری اسی سے ہوتی ہے لہٰذا جنت میں پوری سیری ہوگی وہاں تجلی تام ہے اور محیط (۶) ہے۔ پھر احاطہ بھی بلا

(۱) اس کے ظاہری معنی ہی مراد لے (۲) محبوب کے دامن کو میں خود پکڑوں (۳) یا محبوب مجھ کو پکڑ لے گا (۴) بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے (۵) اکمل و مکمل (۶) پوری تجلی [illegible] [illegible]

حجاب (۱) ہے۔ محب اور محبوب میں اگر کپڑا حائل ہو تو سیری نہیں ہوتی اللہ میاں کپڑوں سے پاک ہیں البتہ حجابات درمیان میں ہیں۔ جنت میں سارے حجابات رفع ہو جاویں گے۔ سوائے رداء کبریا (۲) کے کوئی حجاب نہ ہوگا۔ جس کی حقیقت ادراک کنہ (۳) کا امتناع ہے۔ نیز جنت میں سیری اس لئے بھی ہوگی کہ جنت تعب و بے کلی (۴) سے خالی ہے وہاں انتظار و اشتیاق (۵) بعد کا نہ ہوگا۔ پس یہ کسی غیر محقق کا قول ہے کہ

جو مزہ انتظار میں دیکھا پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وصل یار میں اور زیادہ لطف ہے۔ پس روزہ کا لطف کیا پوچھتے ہو؟ پانی کے انتظار میں ایک لطف ہے، پھر پیتے وقت اس سے زیادہ لطف، پھر رگیں تر ہو گئیں۔ یہ تیسرا لطف آخرت کے لطف کی خبر دیتا ہے کہ باب یسمی ریان یعنی وہ دروازہ تر بتر ہوگا۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ تر بتر و سیراب ہو جائے گا۔

اگر کسی کو خیال ہو کہ ہم باب الریان کو کیا سمجھیں گے؟ عربی تو جانتے ہی نہیں پھر یہ نام سن کر وہاں کیا مزہ آئے گا؟ تو خوب سمجھئے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی وہاں سارے عربی دان (۶) ہو جاویں گے۔ باب الریان کو بھی سمجھو گے اور اس کا نام بھی ریان ہوگا۔ دیکھنے میں بھی ریان ہوگا یعنی تر بتر۔

حیات جنت و دوزخ

بعض نے کہا ہے کہ ریان کی اسناد باب کی طرف حقیقی ہے یعنی وہ دروازہ خود

(۱) بغیر حجاب (۲) کبریائی کی چادر (۳) جس کی حقیقت کو معلوم کرنا ناممکن ہے (۴) تھکاوٹ اور بے چینی (۵) محبوب سے دور ہونے کی صورت میں جو انتظار اور شوق ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا (۶) عربی جاننے والے

بھی تر و تازہ ہوگا کہ اس میں نہریں ہوں گی فوارے ہوں گے وہ بھیگا ہوا ہوگا مگر یہ نہیں کہ اس میں کیچڑ ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسناد مجازی ہے یعنی دروازہ کو ریان کہنا باعتبار ان لوگوں کے ہے جو اس میں وارد ہوں گے یعنی وہ تر و تازہ ہو کر جاویں گے۔

اس کے بعد ایک گفتگو اس میں ہے کہ جنت کی چیزیں جس حالت پر ہوں گی، آیا وہ چیزیں خود بھی اس حالت کا ادراک (۱) کریں گی یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ ان کو بھی ادراک (۲) ہوگا۔ مثلاً دروازہ تر بتر ہوگا تو وہ اپنے تر بتر ہونے کا ادراک بھی کرے گا۔ اسی طرح اور چیزوں کا حال ہے اور ان الآخرۃ لھی الحیوان (۳) سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آخرت سراپا حیات ہے۔ کیونکہ زیادہ مستعمل حیوان بمعنی مصدر ہے۔ یہ ایسا ہے کہ جیسے زید عدل (۴) اور اگر صفت بھی ہو تو بمعنی ذی حیات (۵) ہوگی۔ پس وہاں کی در و دیوار میں بھی زندگی ہوگی۔ دیواریں گائیں گی، نغمات پیدا ہوں گے، درخت گائیں گے۔

اور بظاہر اس لئے کہا کہ کلام میں یہ بھی احتمال ہے کہ "الدار" کا مضاف مقدر ہو یعنی حیوۃ الدار الآخرۃ ہی الحیوۃ (۶) باقی جنت کا بولنا خود حدیث میں آیا ہے اور وہ بظاہر حقیقت پر محمول ہے یہی صوفیہ کا مسلک ہے۔ بعض اہل ظاہر خشک ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنت مثل بولنے والے کی ہوگی جیسے بے جان تصویر کو کہہ دیتے ہیں، ایسی جیسے اب بول پڑے گی یہ حیات کے قائل نہیں۔ مگر یہ محض تاویل ہے

(۱) ان چیزوں کو خود اپنی حالت کا علم ہوگا کہ نہیں (۲) وہ بھی اس بات کو محسوس کریں گی (۳) آخرت سراپا زندگی ہے (۴) یہ سراپا انصاف ہے (۵) زندگی والی (۶) آخرت کے گھر کی زندگی ہی سراپا حیات ہے

صوفیہ کا قول ظواہر نصوص (۱) سے متاید ہے۔ ان کے نزدیک دوزخ بھی ذی حیات ہی ہوگی؛ دلیل یہ ہے کہ "ہل من مزید" (۲) پکارے گی۔

نیز اس میں اور بھی آثار حیات (۳) کے پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارہ میں کہا ہے کہ اس کی شکل اژدھے کی سی ہے اس کے پیٹ میں سانپ، بچھو، کنکھجورے وغیرہ ہیں، سارا جہنم اژدھے کی صورت ہے۔

اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل سمجھ میں آجاویں گے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جاوے گی، جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے، مگر پھر بھی قابو سے باہر نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی (۴) ہوگی اور "ہل من مزید" پکارتی ہوگی، اس کے معنی صوفیہ کے قول پر اس طرح سمجھ میں آتے ہیں کہ چونکہ وہ ذی حیات (۵) ہے، اس لئے اس قسم کے آثار اس سے پائے جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ قرآن، حدیث کو جس سہولت سے اہل باطن سمجھتے ہیں اور لوگ نہیں سمجھتے۔ اور جاندار ہونے کی صورت میں اس کا اثر فرحت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اہل باطن کے مسلک پر سیرابی کی فرحت صائمین کو بہت زیادہ حاصل ہوگی۔ کیونکہ جب سنیں گے کہ باب الریان ذی حیات ہوگا، تو یہ سمجھیں گے کہ دروازہ میں داخل ہونے والے تو خوش ہوں ہی گے، مگر وہ دروازہ بھی بوجہ ذی حیات (۶) ہونے کے خوش ہوگا۔ اور پھاٹک کے جاندار ہونے پر خلاف عادت ہونے کے خیال سے تعجب نہ کیا جاوے۔ کیونکہ خلاف عادت بھی نہیں، جیسے دنیا میں بچے کے لئے ماں

---

(۱) صوفیہ کے قول کی تائید حدیث کے ظاہری معنی سے ظاہر ہوتی ہے (۲) اگر اور ہو تو لاؤ (۳) چونکہ اس میں زندگی پائی جاتی ہے (۴) چلاتی ہوگی (۵) چونکہ اس میں زندگی پائی جاتی ہے (۶) زندگی کے حامل ہونے کی وجہ سے

پھاٹک بن جاتی ہیں کہ لڑکا اس کے طریق خاص سے نکلتا ہے، ایسے ہی وہ دروازہ ہوگا

اور یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسے ایک ملحد نے اعتراض کیا تھا کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے واسطے اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی؟ جواب یہ ہے کہ دنیا میں دودھ تھن میں سے نکلتا ہے اور خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ اگر وہاں وہ نہر ہی خاصیت میں ایک بڑا تھن ہو اور اس میں دودھ پیدا کر دیا جاوے تو کیا تعجب کی بات ہے؟ اسی طرح جیسے یہاں جاندار پھاٹک پیدا کئے ہیں وہاں بھی پیدا کر دیں تو کیا محل تعجب ہے۔

سیرابی و سیری

قرآن سے بھی روزہ دار کے لئے دو نعمتیں ثابت ہوتی ہیں۔ سیرابی کی بھی "اشربوا" (۱) سے، اور سیری کی بھی "کلوا" (۲) سے، چنانچہ ارشاد ہے "کلوا واشربوا ہنیئاً بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ" (۳) پس روزہ دار ریان بھی بنائے جائیں گے اور شبعان بھی (۴)۔ اور حدیث میں گو شبعان صراحۃً مذکور نہیں مگر ریان خود شبعان پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی پینے کا لطف پیٹ بھرنے ہی پر آتا ہے۔ دوسرے کریموں کی عادت ہے کہ کھانا کھلا کر پانی پلایا کرتے ہیں خالی پیٹ نہیں پلاتے۔ ہاں بعض بخیلوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پانی سے مہمان کا پیٹ بھرنا چاہا کرتے ہیں تاکہ کھانا کم کھاوے۔

کریموں کی عادت یہ ہے کہ کھانے کے بعد پانی دیتے ہیں قبل نہیں دیتے تاکہ کھانا خوب کھایا جاوے۔ لہٰذا ریان عادۃً شبعان (۵) کو مستلزم ہے۔ باقی ریان کے

(۱) پیو (۲) کھاؤ (۳) الحاقۃ آیت ۲۴ (۴) روزہ دار تر بھی ہو گئے اور پیٹ بھرے بھی (۵) سیرابی پیٹ بھرے ہونے کو لازم ہے

عنوان میں صرف پانی کی بشارت اس لئے دی کہ صائم(۱) کو زیادہ مرغوب(۲) یہی ہے۔ اسی کی بشارت میں ارشاد ہوا ہے کہ " لا یدخله الا الصائمون "یعنی اس میں روزہ دار ہی جائیں گے۔ اور میں نے جو اوپر جنت کے نقشہ کے ذکر میں ایک مثال درخت کی بیان کی ہے کہ جڑ عرض میں کم ہوتی ہے اور شاخیں زیادہ ہوتی ہیں۔

اس پر جنت کے درختوں کے متعلق ایک مضمون یاد آگیا اس کو بھی عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جنت کے درخت کی جڑ اوپر اور شاخیں نیچے ہونگی۔ مگر اس کا ظاہری مطلب مراد نہیں کہ جڑ تو آسمان کی طرف ہو اور شاخیں زمین کی طرف۔ جیسے کوئی چھوٹے سے درخت کو الٹا جمادے کہ اس کی جڑ اوپر کو شاخیں نیچے کو ہو جاویں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جڑ تو اونچی سطح پر ہوگی اور اسی سطح کے گرداگرد اس سے نشیب میں خلا ہوگا۔ اس میں شاخیں جڑ کی سطح سے بھی نیچے لٹکی ہوں گی۔ جیسے کوئی پھلواری گملہ میں رکھ کر وہ گملہ کسی اونچی ستون پر رکھ دیا جاوے اور اس کی شاخیں گملہ سے بھی نیچے پہنچ جاویں۔

حکمت اس میں یہ ہوگی کہ اہل جنت مل بیٹھ کر سب طرح پھل توڑ سکیں۔ مثلاً جڑ زمین سے دس فٹ اونچی ہو اور شاخیں زمین سے دو فٹ بلند ہوں۔ جیسے دنیا میں اونچے چبوترے پر درخت ہوتے ہیں جن کی شاخیں زمین کے متصل ہوتی ہیں۔ یہاں تک منجملہ تقریروں کے ایک تقریر یہ ہے جو بیان ہوئی اس تقریر کا نام "الریان من رمضان" مناسب ہے یعنی ریان کے حصول کی بشارت رمضان(۳) کی وجہ سے۔

---

(۱) روزہ دار (۲) پسندیدہ (۳) رمضان کے روزے کی وجہ سے عروق کے تر و تر ہونے کی خوشخبری

فضیلت رمضان

اور جو مضمون اس سے پہلے جمعہ میں بیان کرتا اگر طبیعت اچھی ہوتی وہ اس آیت کے متعلق ہوتا جو آئندہ ذکر کرتا ہوں " شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن ہدی للناس وبینات من الہدی والفرقان(۱)" ہدی للناس میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے۔ اور دلائل واضحہ ہیں۔ یہ عطف تفسیری ہے۔ ''من الہدیٰ'' میں ''من'' تبعیضیہ(۲) اور الف لام جنس کا ہے مطلب یہ ہوگا کہ قرآن بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور دلائل واضحہ ہیں ان شرائع سماویہ میں سے جن کی شان ہدایت ہے۔ یعنی شرائع سماویہ(۳) تو متعدد ہیں۔ ان سے ایک قرآن بھی ہے۔ اب ''من'' کا تبعیضیہ ہونا واضح ہوگیا اور یہ تخصیص بعد تعمیم(۴) ہے۔ یوں تو تمام کتب سماویہ اور تمام شرائع کی شان ہدایت ہے مگر اس تخصیص سے قرآن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور فرقان لوازم ہدیٰ سے ہے کیونکہ وضوح حقیقت کے بعد امتیاز بین الحق والباطل لازم ہے۔(۵)

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ موقع تو ہے رمضان کی فضیلت بیان کرنے کا چنانچہ اوپر سے صوم ہی کا ذکر چلا آرہا ہے اور بیان کی گئی قرآن کی فضیلت۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ فضیلت بیان کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ خود

---

(۱) البقرۃ آیت ۱۸۵ "ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں۔" (۲) من جو بعض کے معنی استعمال ہو (۳) آسمان سے نازل ہونے والی شریعتیں اور کتابیں تو بہت سی ہیں جیسے توریت انجیل وغیرہ (۴) ایک عام حکم بیان کرکے پھر اس میں سے تخصیص کردی گئی (۵) کیونکہ حقیقت واضح ہونے کے بعد ہی انسان حق وباطل میں فرق کرتا ہے

اس چیز کی فضیلت بیان کریں۔ اور ایک یہ فضیلت تو بیان کریں دوسری شے کی، اور اس کی فضیلت اس سے لازم آجاوے۔ اور یہ احسن طریقہ ہے کیونکہ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہے اس کو کہتے ہیں:

خوشتر آں باشد کہ سر دلبرا گفتہ آید در حدیث دیگراں (۱)

مثلاً ہم کو حضرت حاجی صاحبؒ (۲) کی فضیلت بیان کرنا ہو تو اس کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خود انکی فضیلت بیان کریں، اور دوسرا طریق یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا گنگوہیؒ جیسے شخص ہیں۔ اور یہ احسن طریق ہے پس اسی طریق سے رمضان کی فضیلت اس طرح لازم آگئی کہ ماہ رمضان وہ ہے جس میں ایسا اور ایسا کلام نازل ہوا ہے۔ جس ماہ کو اتنی بڑی چیز سے ملابست (۳) ہوگی تو وہ ماہ کتنی فضیلت رکھتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بڑی فضیلت والا ماہ ہوگا۔

اہتمام تلاوت

اب ماہ رمضان میں نزول قرآن سے برکت ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ برکت اس کو قرآن کے نازل ہونے سے حاصل ہوئی۔ ایک یہ کہ برکت اس ماہ میں پہلے سے تھی اور قرآن کے ہونے سے یہ ماہ نور علیٰ نور ہو گیا ہو۔ اسی کے مناسبت نعت کا یہ شعر ہے۔

نبی خود نور، اور قرآن ملا نور نہ ہو پھر مل کے کیوں نور علیٰ نور

اسی طرح یہاں ہوگا کہ رمضان خود نور پھر قرآن دوسرا نور۔ بس اس سے مل

(۱) یہ بہترین طریقہ ہے کہ محبوب کی خوبیاں دوسروں کے ذکر کے ضمن میں بیان کی جائیں (۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۳) جس ماہ کو اتنی بڑی چیز سے تعلق ہوگا۔

کر یہ نور علی نور ہوگیا۔ اور اس کی فضیلت کے بیان میں قرآن شریف کا نازل ہونا ہی کافی ہے اور کسی فضیلت کے بیان کی حاجت نہیں۔ اور چونکہ رمضان اور قرآن میں مناسبت ہے اسی لئے اعلیٰ درجہ کی عبادت اس ماہ میں تلاوت قرآن تجویز کی جاتی ہے۔

اور تلاوت قرآن کی طرف اس ماہ میں میلان بھی زیادہ ہوتا ہے اسی لئے میں اپنے احباب کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ قرآن کی تلاوت کو اس ماہ میں دوسری عباداتِ پر غالب رکھیں۔ اور اس لئے میں نئے طالبین کو اس ماہ میں کچھ بتلاتا نہیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس ماہ میں تلاوت کو غالب رکھیں اور اس تجویز کی اس سے تقویت ہوتی ہے۔

چنانچہ جبرئیل علیہ السلام حضورﷺ کے ساتھ رمضان میں قرآن کا دور کرتے تھے اور وفات کے سال دو دفعہ دور ہوا ہے۔ صحابہ کا اور امت کا یہی عمل رہا ہے کہ رمضان میں ختمات قرآن کا خاص اہتمام کیا ہے(۱) علماء کا بھی یہی قول ہے کہ اس ماہ میں تراویح میں ایک دفعہ کلام اللہ کے ختم کو سنت موکدہ کہا ہے۔ لیکن سنت اس وقت ہے کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو، اور اگر مفسدہ ہو تو اس کو ترک کردیں گے۔ مثلاً ٹھیکہ دار(۲) حافظ کے سوا اور کوئی نہیں ملتا ہو، چونکہ بعض جگہ اس سنت پر عمل کرنے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے وہاں اس سنت کو ترک کردیں گے۔

---

(۱) رمضان میں حضرت عثمان غنی ایک قرآن روز پڑھتے تھے قرآن پاک کی سات منزلیں کثرت تلاوت پر دال ہیں کہ عام صحابہ کا معمول سات روز میں ختم کا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پاک تلاوت کرتے۔ ایک دن میں، ایک رات میں ایک تراویح میں (۲) ایسا حافظ جو پیسے لے کر قرآن سنائے اس سے بہتر سورۃ سے تراویح پڑھنا ہے

آجکل حافظ دو قسم کے ہیں، ایک تو بشرط شئی کے مرتبہ میں، یعنی کلام اللہ سنانے پر شرط کرلیں، یہ صورت تو جائز نہیں کیونکہ سنانے پر اجرت لینا حرام ہے، اس موقع پر سنت پر عمل چھوڑ دیں گے۔ اور دوسری شرط لا شے کے مرتبہ میں، یوں کہیں کہ ہم جب پڑھیں گے کہ تم ہمیں کچھ نہ دو۔ اور گو ایک احتمال لابشرط شئے کا بھی ہے لیکن تتبع (۱) عرف سے اس کا مرجع بھی ان ہی دو قسم سے ایک قسم ہے اس لئے تقسیم واقعی ثنائی (۲) ہی رہی۔ گو عقلی ثلاثی (۳) ہے۔ بہر حال اگر حافظ بشرط لا شئے مل جاوے (۴) تو کلام اللہ سننے میں کاہلی نہ کرے بلکہ سننے کیلئے مستعد ہونا چاہئے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ لوگ دنیا کے واسطے کتنی محنت کرتے ہیں اس کے مقابلے میں یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ مگر بے رغبتی کی یہ حالت ہے کہ بعض کو تراویح ہی میں نیند آتی ہے سو اس کا علاج کرنا چاہئے۔ آسان علاج ایک تو یہ ہے سیاہ مرچ کھالو اس سے نیند جاتی رہے گی اور سیاہ مرچ نافع (۵) بھی ہے البتہ لال مرچ مضر (۶) ہے۔

اس کے مضر ہونے پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ، دماغ سے معذور تھے۔ جب ان کے سامنے مسلمانوں کی کسی قسم کی خرابیوں کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے جو بات بھی ہوتی یہی فرمادیتے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ کیا بے جوڑ بات ہے۔ میں نے ہنس کر کہا کہ بڑی جوڑ دار ہے اس طرح سے کہ مرچوں سے کھانا مزہ دار ہوجاتا ہے اور بوجہ مزیدار ہونے کے کھایا بہت جاتا ہے اور زیادہ

---

(۱) عرف میں غور کرنے سے یہ بھی ان ہی کی شکلوں میں شامل ہے۔ (۲) دو قسم کی ہی تقسیم (۳) اگرچہ عقلاً تین قسم ہے (۴) یعنی ایسا حافظ جو یہ شرط لگائے کہ میں جب سناؤں گا کہ تم مجھے کچھ نہ دو گے (۵) فائدہ مند (۶) نقصان دہ

کھانے سے قوت بہیمیہ (۱) میں ترقی ہوتی ہے اور وہ باعث ہوتی ہے فساد کا۔ ہم تو بزرگوں کے قول کی تاویل کریں گے گو وہ بزرگ کیسے ہی ہوں۔

خیر یہ تو ہنسی کی بات تھی باقی نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیو۔ حضرات اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے۔ اس کو امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔ پھر بھی اگر نیند زیادہ آوے تو سیاہ مرچ چبالو آخر خدا تعالیٰ سے کچھ لینا بھی ہے یا نہیں۔

حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ایطمع کل امرئ منھم ان یدخل جنۃ نعیم ۔ کلا (۲) کیا ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جاوے ایسا ہرگز نہیں، یعنی بدوں (۳) کیے کچھ نہ ملے گا۔ پہلے اعمال کے ذریعہ سے جنت کے قابل تو بنو۔ بدوں اعمال کیے کیا منہ جنت کے لینے کا؟ پس رمضان میں ہمت کر کے ایک قرآن تو سن ہی لو۔ بہر حال سنت سے، آثار سے، بزرگوں کے معمولات سے، ذوق سے ثابت ہوتا ہے اس ماہ میں قرآن کی تلاوت خاص درجہ میں مطلوب ہے۔

شفاعت روزہ

یہ دوسری تقریر ہے اس کا نام ''القرآن فی رمضان'' رکھنا مناسب ہے۔ دونوں تقریروں میں مناسبت بھی ہے کہ پہلی تقریر میں رمضان کی فضیلت کا بیان تھا اور اس میں قرآن کا بیان ہے جس میں ایک وجہ تو مناسبت کی یہ ہے کہ قرآن کا نزول رمضان شریف میں ہوا ہے۔ دوسرے نص حدیث شریف۔ قرآن شریف اور روزہ دونوں قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ رمضان کہے گا میں نے اس کو پیاسا رکھا

(۱) حیوانی قوت میں (۲) المعارج ۳۸، ۳۹ (۳) بغیر اعمال

تھا اس واسطے اس شخص کو بخش دیجیے۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو جگایا تھا اس لئے میری شفاعت قبول فرمائیے۔

پھر لفظ رمضان کو ان ایام صیام (۱) سے لفظی مناسبت بھی ہے کہ "رمض" سخت گرمی کو کہتے ہیں۔ اصل وجہ تو اس کی یہ ہوئی تھی کہ جب مہینوں کے نام تجویز ہوئے تھے تو ان ایام میں سخت گرمی تھی اس لئے اس کا نام رمضان رکھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان ایام میں عبادت ایسی مقرر کی کہ اگرچہ سردی ہی ہو تب بھی بہ نسبت اور ایام (۲) کے اس میں کچھ تو تپش (۳) ہوتی رہی ہے، یعنی بھوک کی یا پیاس کی تپش۔ یہاں دوسری تقریر ختم ہوئی۔

عبادت شب قدر

اب تیسری تقریر رہ گئی اس میں شب قدر کا بیان ہے اس کو تقریر بالا سے مناسبت یہ ہے کہ رمضان شریف میں قرآن نازل ہوا۔ اسی طرح لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تو یہ ارشاد ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (۴) اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (۵) اور لیلۃ القدر کا رمضان میں ہونا نصوص حدیث سے ثابت ہے۔

لہذا دوسری اور تیسری تقریر میں بھی پوری مناسبت ہوگئی۔ اب شب قدر کے متعلق بعض ضروری باتیں بیان کرتا ہوں کہ ایک یہ کہ آجکل اکثر لوگ یہ پوچھا کرتے ہیں کہ شب قدر میں کیا عبادت کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دن کو تو زیادہ تلاوت میں صرف کرے۔ تدبر (۶) سے

(۱) روزے کے دنوں سے (۲) اور دنوں کے (۳) گرمی (۴) البقرۃ آیت ۱۸۵ (۵) سورۃ القدر آیت ۱ (۶) فکر سے

تلاوت کرے اور اگر تجوید نہ آتی ہو تو کم از کم بقدر ضرورت اس کو سیکھ لے۔ اور رات کو بھی حق تلاوت ادا کرے اور لیلۃ القدر میں زیادہ جاگے۔ کچھ تلاوت کچھ نوافل میں مشغول رہے۔ اور دس دن اعتکاف کی مشروعیت(۱) میں یہ بھی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ شب قدر کا جاگنا نصیب ہو، کیونکہ اعتکاف مسجد میں ہوگا اور جب یہ مسجد میں پڑا رہے گا تو کوئی تو اٹھے ہی گا، اس کو بھی توفیق ہو جاوے گی۔

پھر یہ ایک لطیفہ رحمت دیکھئے کہ اللہ میاں نے اعتکاف کے دس دن متعین کر دیے ہیں اور لیلۃ القدر کی پانچ راتیں۔ جن میں ایک ایک دن کا ہر دو رات کے بیچ میں فاصلہ بھی کر دیا تاکہ آسانی ہو جاگنے میں۔ جو تکان ایک رات کے جاگنے سے ہو گیا ہے وہ ایک دن آرام سے جاتا رہے۔ آج اٹھارہ تاریخ ہے اور کوئی خبر اس کیخلاف اب تک نہیں ملی۔ پس جس مسجد میں جماعت ہوتی ہو اس میں بیس تاریخ یعنی پرسوں کو غروب آفتاب سے پہلے اعتکاف کی نیت کر کے جا بیٹھے۔ اور چاند رات کو نکل آوے۔ اگر تیس کا چاند ہو تو دس دن پورے ہو جائیں گے اور اگر انتیس کا ہوا تو گو تعداد میں نو دن ہوں گے مگر ثواب دس دن کا ملے گا۔

اس اعتکاف میں علاوہ اور حکمتوں کے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ان دنوں میں شب قدر نصیب ہو جاتی ہے۔ جس میں عبادت کرنا ایک ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے جو اسی سال سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی تو عمر بھی شاذ و نادر(۲) ہوتی ہے۔ پس اسی بناء پر ایک شب قدر میں جاگنا ایسا ہی ہے گویا ساری عمر سے بھی زیادہ عبادت کی۔ جس کا مطلب دوسرے عنوان سے یہ ہوا کہ۔ ساری عمر بھی

(۱) شریعت میں دس دن کا اعتکاف عشرہ اخیرہ میں سنت ہونے کی حکمت۔ (۲) کم کم ہی ہوتی ہے۔

عبادت کی اور مرنے کے بعد بھی کچھ دنوں عبادت کی۔ اتنا ثواب ہے اس رات میں عبادت کا۔ ایک رات کی عبادت تمام عمر کی عبادت سے بڑھ جاتی ہے تو ضرور اسکی کوشش کرے۔

نیند کا علاج

اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ سکے تو بھی شب قدر کی فضیلت ملے گی۔ پس سستی نہ کرے اور نیند نہ آنے کی تدابیر کرے مثلاً یہ کہ رات کو کھانے پینے میں قدرے کمی کرے اور اگر پھر بھی ضرورت ہو تو کالی مرچ چبالے۔ اور جو بھی تدبیریں نیند نہ آنے کی ہوں سب کرے اور اگر باوجود تدبیریں کرنے کے پھر بھی نیند غالب ہو تو وہ نیند معتبر ہے یعنی پھر سو رہے۔ لیکن یہ نہیں کہ ذرا سی نیند آئی اور پڑ کر سو رہے اور نیند کے غلبہ کی صورت کو اس طرح سمجھو کہ ایک بڈھے کی حکایت ہے کہ وہ پڑھ رہے تھے "کریما ببخشائے برحال ما" (۱) اور نیند میں نکل رہا تھا "اری ماں" جب یہ نوبت آجاوے تو سو رہے۔ کیا لطف و رحمت ہے کہ ایک رات کی عبادت کو ہزار ماہ کی برابر قرار دیدیا اور پھر نیند کے غلبہ کا بھی اعتبار فرمایا۔ اور نیند کے غلبہ کی صورت میں اکثر حصہ رات کے جاگنے کو بھی فضیلت شب قدر کی مرحمت فرمائی۔

طوبیٰ لنا معشر الاسلام ان   لنا من العنایۃ رکنا غیر منہم (۲)

---

(۱) اے کریم میرے حال پر رحم فرما (۲) اے اہل اسلام ہمارے لئے یہ بات باعث خوشی ہے کہ ہمیں اللہ کی خاص عنایت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں۔

مقام ناز

ہمارے لئے بڑی بشارت ہے، ہمارے پیغمبر ﷺ عنایت الٰہی کے رکن ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رحمت ہوں کہ تحفہ بنا کر مجھ کو بھیجا گیا ہے۔ انا رحمة مہداۃ "(۱) مگر ہماری وہ حالت ہے کہ کھائیں اور غرائیں اور پھر کہیں کہ لائیے ثواب، البتہ جن کا مقام ناز کا ہو اگر وہ کچھ کہہ دیں تو زیبا ہے۔ مگر ہر ایک کو ان کی نقل کرنے کا حق نہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد (۲)

اس مقام کو اصطلاح میں ادلال (۳) کہتے ہیں، جو ہر ایک کا مقام نہیں۔ جس کا مقام ادلال ہے ایسی باتیں کہنا ان کا مرتبہ ہے نہ کہ اہل اضلال (۴) کا۔ حضرت رابعہ بصریہ جن کا مرتبہ ناز کا تھا وہ حج کو گئیں، جب حج کر چکیں تو کہتی ہیں کہ میں ثواب کی ہر حالت میں مستحق ہوگئی، اگر حج قبول ہوا تب تو ظاہر ہے اور جو قبول نہیں ہوا تو بھی ثواب کی مستحق ہوں، کیونکہ یہ عاشق کیلئے بڑی سخت مصیبت ہے کہ وہ محبوب کی درگاہ میں آوے اور محروم واپس جاوے۔

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم همہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم (۵)

تو اس صورت میں تو میں مصیبت زدہ ہوں گی کہ میرا حج مردود ہوگیا۔ اور آپ نے مصیبت پر بھی اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ بہر حال ثواب دینا پڑے گا میں ٹلوں گی

---

(۱) میں تحفہ کے طور دی گئی رحمت ہوں (۲) ناز کے لئے ورد والوں کا سا چہرہ چاہیے اگر تم وہ بھی نہیں رکھتے تو ناز کے قریب مت جاؤ (۳) ناز کرنا (۴) نہ کہ گمراہوں کا (۵) دوست کے دروازے سے کیا کہوں میں کیسے گیا ہمہ تن امید ہو کے آیا تھا اور اب ہمہ تن محروم ہو کر واپس جاتا ہوں۔

نہیں۔اور جو اہل ناز نہ ہوتو اس کو تنبیہ کرتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

پیش یوسف نازش و خوبی مکن　　جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش　　ہمچو روبا گریہ و آشوب باش (۱)

ایک درویش نے حضرت ابراہیم ابن ادہم کو دیکھ کر ناز کیا تھا حالانکہ اس کا مرتبہ ایسا نہ تھا۔پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوا؟ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ سلطنت کو ترک کر کے ایک جنگل میں پہنچے وہاں ایک درویش رہتا تھا، کہ اس کو غیب سے کھانا آتا تھا، اس نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص یہاں ٹھہر گیا تو میرے کھانے میں کمی ہوگی، اس نے کہا یہاں ٹھہرنے کا حکم نہیں۔جیسے موذنین (۲) کی اکثر عادت ہوتی ہے چنانچہ ہم جہاز میں عدن پہنچے۔سیر کو جی چاہا اس لئے وہاں اترے۔شب کو ہم ایک مسجد کے حجرہ کی چھت پر جا کر پڑے۔موذن صاحب آئے اور کہا کہ نکلو یہاں سے۔

میں تو بولا نہیں اس خیال سے کہ بحث کی یہاں گنجائش نہیں، اور یہ خیال کیا کہ بے حیا بنے پڑے رہو کوئی نکالے گا نکل جائیں گے۔ایک سندھی سوداگر بھی ہمراہ تھے جو عرب میں تجارت کیا کرتے تھے، وہ بولے ہم عرب ہیں اور ہمیشہ یہیں ٹھہرتے ہیں موذن نے ہم کو عرب ہی سمجھا۔پھر تو کہنے لگا کہ یہاں لیٹے ہو مسجد کے اندر قالین بچھے ہیں، ہوا ہے حفاظت کا انتظام ہے، وہاں چلو، چنانچہ وہاں لے گیا اور خوب خاطر

(۱) ناز کے لئے ورد والوں کا سا چہرہ چاہئے اگر تم وہ بھی نہیں رکھتے تو ناز کے قریب مت جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے ناز و حسن کی تعریف نہ کرو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح نیاز مندی اور آہ و فغاں کرتے رہو جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب بن جاؤ رونے والوں کی سی صورت ہی بنا لو (۲) اذان دینے والوں کی

کی، اسی طرح وہ درویش چھپری والا گھبرایا وہ بھی صاحب کرامت تھا اس کو غیب سے روٹی ملتی تھی۔ مگر وہ حالت غربت سے فقیر ہوا تھا اس کا وہی حوصلہ تھا وہ بڑبڑایا اور کہا کہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے فرمایا کہ میں روٹی نہیں مانگتا تب اس کو تسلی ہوگئی۔

جاہل پیروں کی بے اعتدالیاں

مجھ کو تسلی ہونے پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک سچے بزرگ سے ایک گاؤں کے لوگ مرید ہوگئے۔ ان کے پہلے جو پیر آئے اور یہ قصہ معلوم ہوا تو ان بزرگ کی قوم کا نام لے کہنے لگے کہ فلانی قوم میں بھی کہیں بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک دانشمند دیہاتی بولا کہ یہ بات تو بزرگ جانتے ہوں گے کہ کس قوم کے بزرگ ہوتے ہیں، کس قوم کے نہیں ہوتے، مگر ایک بات تو وہ ہم سے فرما گئے ہیں کہ پہلے پیر کا حق بھی سمجھنا چاہئے۔ اس پر پیر صاحب کہنے لگے کہ خیر وہ بھی بزرگ آدمی ہیں۔ مجھ کو ایک جگہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں قریب مقام میں ان لوگوں کے ایک پیر تھے ان کو خیال ہوا کہ شاید واعظ یہ میری جڑ کاٹیں گے۔ وہ خود بھی وہاں آئے اور ایک مولوی صاحب کو بھی اپنے ساتھ لائے کہ شاید بحث کی نوبت آئے تو ان کو مقابل بنادیں گے۔

آخر وعظ ہوا تو میں نے بیان کیا کہ میں ایک کام کی بات بتاتا ہوں، کہ دین کی باتیں تو اہل علم سے پوچھو، اور ان کو کوئی نذرانہ وغیرہ مت دو۔ اور مالی خدمت پیروں کی کرو، مگر دین کی باتیں پوچھنے کی تکلیف ان بزرگوں کو مت دیا کرو۔ پس مسائل کے لئے تو مولویوں کو رکھو اور خدمت کے لئے فقیروں کو۔ ان کو پریشان مت

کرو ہاں ان کی خدمت کرو اور مولویوں کو ایک پیسہ مت دو۔ پیر صاحب خوش ہو گئے اور میرے خوب ہاتھ چومے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جتنے بدعتی ہیں اگر ہم لوگ انکی مرضی کی تقریر کر دیں تو سب ہماری سی کہنے لگیں کیونکہ ان کی سب بدعات کھانے کے لئے ہیں ورنہ اگر اس طرف سے یکسوئی ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائیں۔

بطور نمونہ کے ایک واقعہ لکھنؤ کا عرض کرتا ہوں۔ وہاں دستور ہے کہ الگ الگ کھانا رکھ کر اور مردوں کے ساتھ نامزد کر کے جدا جدا فاتحہ دلواتے ہیں کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے اور اس کا فلاں کو۔ بعض نے مجھ سے کہا کہ علماء نہ معلوم جدا جدا فاتحہ کو کیوں منع کرتے ہیں میں نے کہا نہیں تم الگ الگ ہی دلواؤ مگر فاتحہ دینے والے پیر جیوں کو کچھ مت دو۔ جب دیکھیں گے کہ فاتحہ تو بیس بار دینی پڑی اور ملا کچھ بھی نہیں ۔ انشاء اللہ پہلے ہی دن وہ بھی کہنے لگیں گے کہ الگ الگ ضرورت نہیں ان قیدوں کی ضرورت نہیں یہ تو ساری روٹیوں کی باتیں ہیں۔ ایک مسجد کا قصہ ہے کہ وہاں ایک ملا رہتے تھے ایک روز ایک بڑھیا عورت روٹی لائی وہ وہاں اس وقت نہ تھے ایک مسافر تھا وہ روٹی اس کو دے دی ملا جی آئے اور ان کو قصہ معلوم ہوا انہوں نے سوچا کہ یہ تو بُرا راہ نکلا اس کی بندش اگر نہ ہوگی تو آئندہ جانے کیا ہو۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل — چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل(۱)

بس لاٹھی لے کر مسجد میں دوڑنا اور ادھر اُدھر لاٹھیاں مارنا شروع کیا۔ بڑھیا نے بھی سنا اور تمام لوگ جمع ہو گئے یہاں تک کہ اخیر میں ملا جی بیہوش ہو کر گر گئے۔

---

(۱) جب چشمہ پھوٹنا شروع ہو رہا ہو تو سوئی سے بھی بند ہو سکتا ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جائے تو ہاتھی سے بھی اس کو بند نہیں کیا جا سکتا۔

لوگ کہنے لگے ملا جی کو کیا ہو گیا وہ بولے کہ میرے پاس مت آؤ میرا اس مسجد میں گزر نہیں ہو گا۔ لوگوں نے کہا آخر بات تو بتلاؤ کہنے لگے بات کیا بتلاؤں بات یہ ہے کہ میں تو یہاں کے سب مُردوں کو جانتا ہوں میرے پاس جو کچھ آتا ہے سب کو مناسب طور پر ثواب بانٹ کر کھا لیتا تھا۔ وہ حصہ لے کر چلے جاتے تھے۔ آج اجنبی شخص کو کھانا پہنچنے پر مردوں کو کچھ ملا نہیں وہ سب مُردے میرے سر ہو گئے میں ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو ہر روز کہاں تک ان کا مقابلہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی تجھ کو ہی دیا کریں گے کہیں مت جا۔ پڑا رہ۔ صاحبو! لوگ ایسی اُستادیاں کرتے ہیں مولویوں نے سب کی جڑ کاٹ دی ہے اس لئے سب ان سے ناخوش ہیں۔

ابراہیم بن ادھم پر اللہ کا انعام

خیر تو وہ درویش یہ سن کر میری روٹیوں میں سے نہ بانٹیں گے خوش ہو گیا اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو جگہ ٹھہرنے کی دیدی کھانے کے وقت اس کے پاس معمولی روٹی سالن اور مٹی کے پیالے میں پانی آیا اور ان کے پاس غیب سے ایک خوان لگا ہوا آیا جس میں رنگا رنگ کے کھانے تھے تمام جنگل اس کی خوشبو سے مہک گیا۔ وہ درویش جانتا تھا کہ یہ ابراہیم بن ادہمؒ ہیں جو ابھی سلطنت کو چھوڑ کر فقیر ہوئے ہیں۔ تو وہ حق تعالیٰ سے کہنے لگا کہ کیا یہی انصاف ہے؟ ہم تو اتنے دنوں کے خادم ہیں اتنی مدت مجاہدات میں گزری ہمیں تو معمولی روٹی اور سالن دیا جائے اور اس نے نہ ابھی زیادہ عبادت کی نہ مجاہدہ اور پھر یہ خاطر داری۔ وہاں سے حکم ہوا کہ بکومت اپنی حیثیت یاد کر کہ تو کون تھا ایک گھس کھدا تھا اور اس کی حیثیت کو دیکھ کہ بادشاہت چھوڑ

کر آیا ہے اگر منظور نہیں تو فلاں درخت کی جڑ میں گھڑیا جالی رکھا ہوا ہے اس کو سنبھال وہ درویش جوتیاں لگ کر سیدھے ہو گئے۔

غرض یہ ہے کہ ہر ایک کا منہ ناز کا نہیں۔ حضرت رابعہ کا منہ ناز کا تھا مگر جن کا منہ ناز کا نہیں وہ بھی بزبان حال ناز کر رہا ہے۔ کہ سوئیں یا جاگیں اجر لینے کو تیار البتہ اگر نیت جاگنے کی ہو اور عذر سے سو گئے تو پھر ہر حالت میں اجر ہے۔ پھر تو وہی بات ہے جیسے بعض ہندوؤں کا مقولہ ہے کہ مسلمان سب طرح مزہ میں ہیں۔ بڑھ جائیں تو امیر، گھٹ جائیں تو فقیر، مر گئے تو پیر۔ مسلمان ہر حال میں اچھا ہے۔ جاگتے اجر، سوتے اجر، سو یہ نیت کی برکت ہے مگر ارادہ تو جاگنے کا کرو ایک تدبیر رات کے جاگنے کی اور یاد آئی کہ دن کو سو رہا کرو۔ اگر باوجود تدابیر کرنے کے پھر سو گئے تو اجر ملے گا غرض اپنی طرف سے کوشش کرو اور سمجھ لو کہ بدوں(۱) کئے کچھ نہیں ملتا۔ اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تین تقریریں ہیں اگر تین دفعہ بیان کرتا تو مبسوط(۲) ہوتیں مگر مختصراً سب کچھ بیان کر دیا۔ اللہ میاں عمل کی توفیق دیں۔ اس اخیر تقریر کا نام یقظان فی رمضان(۳) مناسب معلوم ہوتا ہے اور مجموعہ کا نام مثلث رمضان------------فقط

محمد اشرف علی (۱۸ شوال ۱۳۵۲ھ)(۴)

---

(۱) بغیر کیے (۲) مفصل (۳) رمضان میں شب بیدار (۴) الحمدللہ حضرت تھانوی کے بیان کردہ اس وعظ پر ۷۹ سال بعد اللہ پاک نے ان کے ربیب کے نواسے احقر خلیل احمد تھانوی کو اس پر حاشیہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو قبول فرمائے اور لوگوں کیلئے استفادہ کا باعث اور میرے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ